

# میرے دادا دادی - جنگ، ضمیر اور ورنے کا ایک خاندانی

## یادگار

میں اپنے خاندان کا آخری فرد ہوں۔

اب کوئی زندہ نہیں جو میرے دادا دادی کو محض تصاویر یا ریکارڈ میں ناموں کی بجائے انسانوں کی طرح یاد رکھتا ہو۔ جب میں مر جاؤں گا تو یہ یاد ختم ہو جائے گی کہ وہ کون تھے، ان کی خاموش جرات کیا تھی، اور وہ کتنا غم اٹھائے پھرتے تھے، جب تک کہ میں اسے لکھنے لوں۔ یہ ایک ذاتی کہانی ہے، لیکن صرف ذاتی نہیں۔ یہ بیسویں صدی کی بربریت کو چھوٹی ہے، اس بات کو کہ ایک آمریت کے نیچے ضمیر کو زندہ رکھتے ہوئے جیون گزارنا کیا تھا، اور اس نازک لکیر کو جو عام لوگوں کو مجرم اور مذاہمت کا رکے درمیان کھڑی کر دیتی تھی۔

یہ کہانی میرے دادا دادی کی ہے: میری دادی جو ویانا پر بمباریوں میں بچیں اور اپنے بچوں کا ناقابلِ برداشت نقصان اٹھایا، اور میرے دادا، ایک ماہر دھات کار جو جنگ کے ایک فلکٹری کے اندر سے نازی رجیم کے خلاف چھوٹے چھوٹے خطرناک طریقوں سے مذاہمت کرتے رہے۔ میں یہ اس لیے لکھ رہا ہوں کہ ان کی کہانی زندہ رہنے کے لائق ہے۔ اور اس لیے بھی کہ ان کی زندگیاں آج مجھے انصاف، یاد اور اخلاقی وضاحت کے بارے میں سمجھاتی ہیں۔

## نانی: بموں کے نیچے بقا

میری نانی 1921 میں بیدا ہوتیں اور دوسری عالمی جنگ ویانا کے مشرقی اضلاع میں گزاری۔ عام شہریوں کی طرح وہ حکام کے احکامات کی پابندی کرتی تھیں۔ جونہی ہوائی حملے کا ساترنا بجتا، وہ بچوں کو لے کر عمارت کے مقرر کردہ ایئر ریڈ شیلٹر یعنی زیر زین تھہ خانے میں دوڑ جاتیں۔

یہ شیلٹر اکثر بس عام تھہ خانے ہی ہوتے تھے۔ نم، بھیڑ بھرے، ہوا کا گزر کم۔ انہیں Luftschutzkeller کہتے تھے، مگر تحفظ کا نام نہ تھا۔ ہوا بھاری اور سڑی ہوئی، بتیاں غیر یقینی، اور بلیک آؤٹ کے قواعد کی وجہ سے ایک چھوٹی سی روشنی کی کرن بھی

شکپیدا کر سکتی تھی۔ حملوں کے دوران وہ تہہ خانے لوگوں، خوف کی بھاری خاموشی اور چھٹ کے گرنے یا ٹھہرنے کے انتظار سے بھرے ہوتے تھے۔

ایک رات وہ تہہ خانہ نہ ٹھہرا۔

جس شیلٹر میں نانی تھیں، اس پر براہ راست یا تقریباً براہ راست بھم گرا۔ اوپر والی عمارت گر گئی۔ دھماکہ، ملبہ، جنگ کا زور۔ سب ان کے پناہ گاہ میں گھس آیا۔ نانی کو ملبے سے زندہ نکال لیا گیا مگر شدید رخی۔ ان کی کھوپڑی کا ایک حصہ ٹوٹ گیا تھا اور ہٹانا پڑا۔ سرجنوں نے اس کی جگہ دھاتی پلیٹ لگادی۔ باقی زندگی آپ ان کی کھوپڑی کے نیچے اس پلیٹ کا کنارہ چھو کر محسوس کر سکتے تھے۔ وہ کہتی تھیں سردی یا طوفان سے پہلے درد بڑھ جاتا ہے۔ ایک مدھم سی تکلیف، جنگ کی یاد دلاتی ہوئی۔

لیکن سب سے بڑا خم جسمانی نہ تھا۔

ان کے پہلے دو بچے اسی رات چلے گئے۔ اینٹوں اور آگ کے ایک پل میں سب ختم۔ اس نسل کی عورتوں کی طرح انہیں بھی آگ کے بڑھنا پڑا۔ دفنانا، غم کرنا، زندہ رہنا، بغیر ٹوٹنے کی جگہ کے۔ وہ غم انہوں نے جنگ کے بعد کے بھوکے اور افراتقری بھرے ویانا میں اٹھایا۔

اور پھر بھی انہوں نے دوبارہ آغاز کیا۔

1950 میں انہوں نے میری ماں کو جنم دیا۔ صحت مند، زندہ، ایک بچہ جو تباہ شدہ شہر کے ملبے میں پیدا ہوا جو خود کو دوبارہ بنارہ تھا۔ اس جرات کی عظمت بیان نہیں کی جا سکتی۔ جسم ٹوٹا ہوا مگر کام کرنے والا۔ دل اب بھی امید رکھنے والا۔

مگر وہ کبھی اس سے آزاد نہ ہو سکیں۔ زندگی بھر انہوں نے کبھی سب وے نلی۔ زیر زمین، بند جگہ میں ہونے کا خیال ہی ناقابل برداشت تھا۔ اور پھر بھی اپارٹمنٹ کے تہہ خانے کے سٹوریج لا کر کو استعمال کرنے پر مجبور کرتی رہیں۔ ایک چھوٹا سا بغاوت بھرا عمل: اس جگہ کی طرف واپس جانا جو قریب قریب انہیں مار چکا تھا، نہ کہ وہ چاہتی تھیں، بلکہ زندگی نے مجبور کیا۔

وہ درد، یاد اور خاموشی کے ساتھ جیتیں۔ مگر جیتیں۔

**دادا: لیتھ کا کام، ضمیر اور پیتل**

میرے دادا 1912 میں پیدا ہوئے اور ایک بالکل مختلف ویانا میں جوان ہوئے۔ جنگوں کے درمیانی دور میں سیمی پروفیشنل فٹ بال کھیلتے اور دھات کے ساتھ کام کرتے۔ وہ Dreher بن گئے۔ یعنی لیتھ مشین آپریٹر، وہ شخص جو دھات کو درست طریقے سے گھڑتا اور کاٹتا ہے۔ یہ ہنر انجانے میں ان کی جان بچانے والا بنا۔

1938 میں جب آسٹریا کو نازی جرمنی میں ضم کیا گیا تو مطابقت ہی بقا بن گئی۔ نازی پارٹی کی رکنیت پہلے حوصلہ افزائی، پھر توقع، پھر مجبوری بن گئی۔ دادا کبھی شامل نہ ہوئے۔ اس کی قیمت محدود موقع، سخت نگرانی اور غداری کا الزام لگنے کے خطرے کی صورت میں ادا کی۔ مگر وہ ڈٹ گئے۔

جنگ آئی تو بھرتی بھی۔ ان کی عمر کے زیادہ ترمد فرنٹ پر بھیجے گئے۔ دادا وہر ماخٹ سے اپنے ہاتھوں کی وجہ سے بچ گئے۔ ان کا ہنر جنگی صنعتوں میں درکار تھا، سو وہ ہستھیاروں کی پیداوار میں لگ گئے۔ وہ جنگ کی مشین کا حصہ بنے، فوجی نہیں بلکہ دھات کار کے طور پر۔

وہ Simmering کے مشرقی ضلع میں واقع بڑی صنعتی کمپنی Saurer Werke میں کام کرتے تھے۔ جنگ کے دوران ساورر فوجی پیداوار میں گہرا شامل ہو گیا: ٹرکوں کے انجن، بھاری گاڑیاں، اور نازی جنگی مشین کو چلانے والے پرزے۔ فیکٹری بہت بڑی اور رجیم کی ضروریات میں مکمل ضم تھی۔ وہاں بڑے یہمانے پر جبری مزدور استعمال ہوتے تھے۔ مقبوضہ ممالک کے کارکن، قیدی اور دوسرا جو وحشیانہ حالات میں کام پر مجبور تھے۔

دادا نے اپنے پاس موجود تھوڑی سی گنجائش کو مزاحمت کے لیے استعمال کیا۔

فیکٹری کے کچھ سے وہ بچا کھچا کھانا۔ جو پھینکنے یا عام کارکنوں کے لیے ہوتا۔ جبری مزدوروں کو پہنچاتے۔ ایک سخت روٹی کا ٹکڑا، چند آلو۔ بہت کم لگتا ہے۔ مگر کم نہ تھا۔ جس رجیم میں رحم جرم تھا اور ساتھی کارکن بھی مخبر ہو سکتے تھے، وہاں چھوٹے سے چھوٹے مہربانی کے عمل بھی خطرناک تھے۔ پکڑے جاتے تو نوکری سے ہاتھ دھونا یا اس سے بھی بڑی سزا ہو سکتی تھی۔

انہوں نے وہ خطرہ اٹھایا۔

اور ایک اور تفصیل جو مجھے ابھی حال ہی میں واضح ہوتی۔ دادا پیتل (براس) کے ساتھ کام کرتے تھے۔ مجھے معلوم ہے کیونکہ وہ لھر پیتل کے گلداں بنانے کرتے تھے۔ اور کیونکہ نانی کو شادی کے تھغے میں انہوں نے ایک چھوٹی سی فن پارہ بنایا: تین کھجوروں والی پیسل کی ایک کشتمی، جو ورق اور تار سے نہایت نفیس طریقے سے گھڑی گئی تھی۔ وہ خوبصورت تھی اور فیکٹری والے ہی مواد سے بنی تھی۔

یہ ایک حیران کن امکان کی طرف لے جاتا ہے۔

نازی رجیم کو تمغوں، اعزازات اور علامتی اشیاء کا جنون تھا۔ نشانات، بیجڑ، سواستیکا پن، آئرن کراس۔ یہ سب کثیر تعداد میں بنائے جاتے تھے تاکہ اطاعت کو انعام دیا جائے، تشدید کی تعریف کی جائے اور درجہ بندی قائم رکھی جائے۔ ان میں سے بہت سے پیتل یا اس جیسے الائے سے بنتے تھے۔ اگر دادا فیلٹری کے اس شعبے میں تھے جو نفس دھاتی کام کرتا تھا (جو ممکن معلوم ہوتا ہے)، تو شاید وہ خود رجیم کے انہی تمغوں کی تیاری میں شریک رہے ہوں۔

اگر ایسا ہے تو یہ تلخ ستم ظریفی ہے۔ ایک شخص جو پارٹی میں کبھی شامل نہ ہوا، جبڑی مزدوروں کو کھانا پہنچاتا رہا، ریاستی نظریے کو مسترد کرتا رہا۔ وہ اپنے ہنر سے رجیم کے تمغے بنارہا ہو۔ وہی ہنر جس نے ان کے ہاتھوں محبت کرنے والی عورت کو شادی کا تحفہ دیا۔ ایک کشتی۔ کھجوریں۔ امن۔

## رسموں والی آمریت میں مراجحت

لہریں بھی دباؤ مسلسل تھا۔

جب دادا دادی کی شادی ہوئی تو رجیم نے انہیں "تحفہ" دیا: مفت Mein Kampf کی ایک کاپی۔ اس وقت یہ معمول تھا۔ ایک علامتی اشارہ کہ ہر شادی اور ہر خاندان کو ہٹلر کے نظریے سے جوڑ دیا جائے۔ نانی نے سرخ پنسل می اور کتاب کے جلد پر سواستیکا کو کاٹ کر مٹا دیا۔ کتاب پھینکی نہیں۔ رکھی۔ نہ عزت کی وجہ سے بلکہ گواہی کی حیثیت سے۔ زبردستی گھس بیٹھنے کا ایک نشان۔ جوان پر مسلط کیا گیا تھا اس کی یاد۔

ان سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ ہٹلر کے ریڈیو خطاب سنیں۔ نازیوں نے سستے ریڈیو سیٹ ٹریسیمانے پر بنائے۔ یعنی "عوامی ریسیور"۔ تاکہ پروپیگنڈا سے آبادی بھر دی جائے۔ مقامی افسر جنہیں Blockwarte کہتے ہیں۔ Volksempfänger تھے، نگرانی کرتے تھے۔ اگر آپ کا ریڈیو بند ہو، اگر آپ نہ سن رہے ہوں، اگر بلیک آؤٹ پر دے سے روشنی کی ایک کرن بھی باہر نکلے تو پورٹ ہو سکتی تھی۔

دادا دادی نے راستے نکالے۔

وہ Blockwart کو چھوٹے چھوٹے احسانات سے "خوش" رکھتے۔ کہتے کہ ریڈیو خراب ہو گیا یا سکلنل غائب ہے۔ کبھی خاموشی سے بیٹھے رہتے اور گھر خالی ہونے کا دکھاوا کرتے۔ کبھی جب معلوم ہوتا کہ نگرانی ہو رہی ہے تو خطاب پوری آواز میں

چلا دیتے تاکہ پوری عمارت سن لے۔ یہ وفاداری کا ڈرامہ نہ تھا، بقا کا ڈرامہ تھا۔

ان کی مزاحمت خاموش تھی۔ حکمت عملی سے بھرپور۔ کھل کر مخالفت نہیں کی جاتی تھی۔ وہ خود کشی ہوتی۔ مگر اپنے اپنے انداز میں انہوں نے انکار کیا۔

## میرے لیے اس کا مطلب

میں احساس جرم کی وراثت میں پروان نہیں چڑھا۔ میرے دادا دادی SS کے رکن نہ تھے۔ نظریاتی نہ تھے۔ مجرم نہ تھے۔ وہ عام لوگ تھے غیر معمولی دباؤ میں، اور انہوں نے خاموش جرات سے انسانیت کو بچائے رکھنے کی کوشش کی۔

بہ آج میرے لیے اہم ہے کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ماضی کو حال کو ڈھالنے کے لیے کیسے استعمال کیا جا رہا ہے۔

یورپ کے کچھ حصوں، خاص طور پر جرمنی اور آسٹریا میں تاریخی بوجھ نے کچھ سیاسی رہنماؤں کو یہ موقع دیا ہے کہ وہ اسرائیل کو بلا شرط حمایت دیں، چاہے وہ فلسطینیوں کے خلاف کتنے ہی سنگین مظالم کرے۔ منطق (خواہ غیر علائیہ ہو) واضح ہے: کیونکہ ہم اس وقت مجرم تھے، اس لیے آج تنقید نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہودی ہماری ببریت کے شکار تھے، اس لیے یہودی ریاست کی ہربات پر آنکھیں بند کر لینی چاہئیں۔

مگر یہ منطق غلط ہے۔ دو غلطیاں مل کر صحیح نہیں ہو جاتیں۔

ہوا کاست میں یہودیوں کا درد آج فلسطینیوں کے درد کو جائز نہیں ٹھہرا تا۔ یورپی ریاستوں کا قصور کسی دوسرے بے گھر کیے گئے قوم سے وصول نہیں کیا جانا چاہیے۔ ماضی کے جرائم کو موجودہ جرائم پر پردہ ڈال کر معاف نہیں کیا جا سکتا۔

میرے دادا دادی نے وہ جرائم نہیں کیے۔ وہ آمریت میں رہے مگر شاستری برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ دادا نے پیتل کو رحم کے نشان بنایا جبکہ فیکٹری ان سے طاقت کے نشان بنوارہی تھی۔ نانی نے سرخ پنسل سے سواستیکا مٹایا۔ ان کی مثال مجھے طاقت دیتی ہے کہ صاف بات کروں۔

مجھے ان گناہوں کا کفارہ دینے کی کوئی مجبوری نہیں جن کا ارتکاب میری فیملی نے نہیں کیا۔ مجھے ان اقدار کی عزت افزائی کی مجبوری ہے جن پر وہ جستے: رحم مطابقت پر، شاستری عقیدے پر، اور اس جرات کے ساتھ پرواہ کرنا جب پرواہ کرنا خطرناک تھا۔

یاد یعنی انکار

یہ میرا ریکارڈ ہے۔ میرا نذرانہ ہے۔ ان کی کہانی کے غائب ہو جانے سے میرا انکار ہے۔

یہ پیتل اور بموں کی کہانی ہے۔ ضرورت سے زیادہ بلند ریڈیو اور چھپ کر بانٹنے لگتے کھانے کی۔ ایک کھوپڑی کی جوزنگی بھر درد اٹھاتی رہی، اور پیتل کی ایک کشتمی کی جو یادوں میں تیرتی رہی۔ ان لوگوں کی جو کبھی ہیر و ہونے کا دعویٰ نہ کرتے، مگر عفریت بننے سے انکار کرتے رہے۔

میں یہ لکھتا ہوں تاکہ وہ بھولائے نہ جائیں۔ اور یہ لکھتا ہوں تاکہ خود کو اور بھپڑھنے والے کو یاد دلاؤں کے انصاف عالمگیر ہونا چاہیے۔ یاد ایماندار ہونی چاہیے۔ رحم کبھی مشروط نہیں ہونا چاہیے۔

اندھیرے میں بھی ایک چھوٹا سا مہربانی کا عمل روشنی بن سکتا ہے۔ یہی میرے دادا دادی نے مجھے سکھایا۔

اور یہی وجہ ہے کہ میں یاد رکھتا ہوں۔